© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الھوٰی (خواہش نفسانی)

(من افاضات حضرت محترم صاحبزادہ محمد عمر صاحب نقشبندی مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ بیربل شریف ضلع سرگودھا)

گذشتہ سے پیوستہ

آیت ۱۳ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ ترجمہ بھلا دیکھو تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو" اس جملے کو بار بار پڑھئے۔ غور کیجئے۔ خواہش کا غلبہ اور اس کے زیر اثر ہونے اور اس سے مغلوب اور اس کی طلب میں وارفتہ ہونے کے لئے اسے خدا بنانے کی مثال سے خواہش کی حقیقت کتنی واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی کہ خواہش معمولی چیز نہ سمجھی جائے بلکہ جب یہ خواہش انسان پر غالب آجاتی ہے۔ تو خدا بن بیٹھتی ہے، اس لئے فرمایا گیا اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ ترجمہ راہ سے بچلا دیا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا یعنی خوب جانتا ہے کہ تباہی کی طرف جا رہا ہوں۔ لیکن خواہش کے غلبہ سے بل جل نہیں سکتا کیونکہ اس کے کانوں اور دل پر محبت کی مہر لگ جاتی ہے۔ اور اس کی آنکھ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ نہ کچھ دیکھتا اور نہ کسی کی سنتا ہے وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً کا حکم اس پر پورا ہو جاتا ہے۔ ایسے حال میں اللہ تعالےٰ کی رہنمائی کے بغیر اس کو کون صحیح راہ دکھا سکتا ہے اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۔ لوگو! تم غور و فکر نہیں کرتے، کہ خواہش نفس کتنی بری چیز ہے۔ دراصل یہ دنیا کی تباہی کا باعث ہے۔ غور فرمائیے اس سے بڑھ کر خواہش کی مذمت کیا ہو سکتی ہے، اور اس سے بڑھ کر اس کی برائیوں کی حقیقت کیا کھولی جا سکتی ہے لیکن آج کا مسلمان اس حقیقت کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔ اور سینکڑوں ڈھکو سلے اس کی رخصت اور اجازت کے نہیں بلکہ ضروری ہونے کے پیش کرتا ہے۔ اور اس کے جواز کے فتوے دیتا اور دکھاتا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ قرآن کی کوئی ایک آیت نہیں جس کی تاویل کی جائے۔ ایک درجن آیتوں کو کیسے مسخ کر دیا جائے؟

لیکن علم کی کارفرمائیاں بھی عجیب ہیں، دیکھنے اور پڑھنے کے باوجود اپنی خواہش پر سب کچھ قربان کر دیا جاتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ۔ کبھی تو وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا (یعنی دنیا سے اپنا حصہ لینا مت بھول) پڑھا جاتا ہے، اور کبھی قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (تو کہہ دے کس نے حرام کی وہ زینت یعنی وہ نعمائے دنیوی جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور رزق میں سے پاک اشیاء) پیش کیا جاتا ہے۔ اور کبھی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (اے رب ہمارے! ہم کو دنیا میں بھی اچھی اچھی چیزیں عطا کر اور آخرت میں بھی) سے مقابلہ کیا جاتا ہے اور گاہ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط (کھاؤ پاک چیزوں میں سے اور نیک کام کرو) اور گاہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ط (اور اگر اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے، بیشک انسان بہت ظالم اور ناشکرا ہے۔) سے اپنی تسلی کی جاتی ہے۔ اور گاہ بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابہ کے اغنیا ہونے کے قصے پیش کر دیئے جاتے ہیں غرض تمام قرآن کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اور من مانی خواہشوں کے جواز کی راہ نکالی جاتی ہے

انسان فطرتاً کمزور ہے اور اپنی کمزوریوں کی وجہ سے بعض وقت بُرے کاموں اور فعلوں سے نہیں بچتا۔ لیکن گذشتہ زمانے کے مسلمان اپنے بُرے فعل اور کام کے جائز ہونے کے دلائل پیش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی گردنیں جھک جاتیں اور ندامت آنکھوں سے ٹپکنے لگتی اور کوئی استدلال عقلی یا نقلی پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن آج ہر حرام کے لئے جواز ہے۔ اور کچھ نہیں تو بعض آیات پڑھتے ہوئے کہہ دیں گے کہ میاں! یہ صاحب تقویٰ کے لئے ہے، ہم دنیا داروں کے لئے یہ اخلاقی تعلیم نہیں، کہاں حرمت کا حکم دیا گیا؟ یہ تو اخلاقی تعلیم ہے تاکہ اچھے لوگ ذرا اور بلند اخلاق ہو جائیں۔ ان کے نزدیک یہ اعمال نہیں بلکہ اَهْوَاءْ ہیں، یہ ایک فطرتی میلان ہے، جس کے بغیر گزران مشکل ہے۔ ان خواہشوں سے دُنیا کے مشاغل جاری ہیں۔

ایک لطیفہ:۔ گزشتہ سال کوہ سکیسر پر دو صاحبزادگان طریقت کے پیچھے ہم جا رہے تھے۔ بات دُنیا پر چھڑ گئی۔ میں نے کہا قرآن حکیم دُنیا کی مذمت فرماتا ہے۔ ایک صاحبزادہ صاحب نے کہا دُنیا کے بغیر نیکی کیسے ہو سکتی ہے۔ مسجدیں، مدرسے راستے۔ پُل یہ سب دُنیا سے بنتی ہیں۔ یہ نیکیاں بغیر دُنیا کے کیسے کی جا سکتی ہیں۔ اس پر میں نے کہا۔ قرآن حکیم مذمت فرماتا ہے۔ وہ ذرا اور تیز ہو گئے فرمایا سخاوت کے دریا اسی سے بہائے جاتے ہیں، لنگر چلتے ہیں، حج کا یہی ذریعہ ہے۔ صدقہ اسی سے دیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ قرآن مذمت فرماتا ہے۔ اس پر سہ بارہ انہوں نے چند اور خوبیاں دُنیا کی پیش کیں۔ زندگی کیسے گزرے آخرت کے توشے کیسے تیار ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ اس پر ایک من چلے جنگل کے سپاہی نے کہا کہ یہ تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم مذمت کرتا ہے۔ اور وہ کچھ اور جواب دیتے ہیں۔

یہی حال یہاں ہے۔ اس کا جواب کسی کے پاس کیا ہے کہ خواہشات کو اللہ تعالےٰ نے بذریعہ قرآن حکیم پسند نہیں فرمایا بلکہ خواہشات کے روکنے کو ذریعہ جنت بنایا۔ جتنا کوئی خواہشات نفس کے روکنے پر قادر ہوا۔ اتنا ہی اس کا درجہ دین میں بلند ہوا۔ اور یہ قانون اٹل جب سے دُنیا پیدا ہوئی۔ چلا آتا ہے اور یہ فطرۃ اللہ میں داخل ہے۔

آیت ۳۷ میں فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ترجمہ:۔ سو جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو دُنیا کا جینا سو دوزخ ہے اس کا ٹھکانہ۔ اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور روکا ہو۔ اس نے جی اپنے کو خواہش سے سو بہشت ہے اس کا ٹھکانہ ـــ اسلام کی ابتدائی دعوت ان آیات اور ایسی ہی دیگر آیات سے پیش کی گئی۔ اور یہی آخری نتیجہ ایمان و عمل سے لیا جانا مقصود ہے۔ فرعون اسی طغیان اور دُنیاوی زندگی پسند کرنے سے ملعون ہوا۔ اور اسی سرکشی کو توڑنے اور خواہشات نفسی سے روکنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کیا گیا۔ اور اسلام کی بنیادی روح اسے قرار دیا۔ اور فرمایا جس نے سرکشی کی اور دُنیا کی زندگی کو پسند کیا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، سرکشی کے معنی وہی منہ زور ہونا، اپنی خواہشات پر چلنا۔ اور جو اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس وجہ سے اپنی خواہش کو روکے گا۔ وہ بہشت میں جائے گا۔

طغیٰ، سرکشی کے مقابل خوف الٰہی کو رکھا گیا۔ دُنیاوی زندگی کی پسند پر خواہش نفس کی روک تھام کو بالمقابل رکھا گیا۔ یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طرف دُنیاوی زندگی عیش وعشرت دوسری طرف خوف الٰہی کے ساتھ تمام خواہشات سے دست برداری۔ نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہونا چاہیئے تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سرکشی اور حیات دنیا کی ترجیح تعیش کے ایام بُرے ہوتے ہیں اور تعیش چھوڑ ایک خائف اور خواہشات سے پاک زندگی، دین و دُنیا میں خیال کی جاتی ہے، کیونکہ کوئی بُرائی اس زندگی میں اپنی ذات کے لئے ہوتی ہے اور نہ معاشرہ کے کسی حصّہ کے لئے اچھی ہوتی ہے یہ خلاف سرکش، تعیش سے بھری زندگی کے۔ کہ وہ اپنی ذات اور دوسرے معاشرے کے لئے ہزاروں نہیں، لاکھوں خرابیوں اور تباہیوں کا باعث ہوتی ہے اور ایک ملعون زندگی ہوتی ہے،

اُمّت کے داعی کی زندگی ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ اور قابل تقلید زندگی ہے کیا آپؐ نے تعیش کی زندگی بسر کی جو خواہشات سے پُر ہے۔ یا ایک مسکین کی زندگی، اس مسکینی زندگی پہ صبر ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک مسکینی زندگی کے لئے دُعا درگاہ رب العزت سے کرتے رہے۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْن ط

فرمایئے۔ کتنی طلب اور خواہش اس مسکین زندگی کی ہے، کہ مرتے وقت کے لئے وہی مسکینی زندگی طلب کی اور مابعد الموت بھی وہی مسکینی زندگی مرغوب خاطر دکھائی گئی۔ ایسے حال میں ایک عالم دین کے لئے کیسے گنجائش ہے۔ کہ وہ اس پاک زندگی کو ایک بھیانک صورت دے۔ اور اس کے برخلاف دنیاوی زندگی کے نئے سہارے تلاش کرے۔ اور ایک خدا کی یاد میں زندگی کو رہبانیت سے تشبیہہ دے۔

خدا کی یاد میں زندگی بسر کرنے کو رہبانیت کی زندگی کہنا بھی ایک بے علمی کا ثبوت ہے، ورنہ کہاں رہبانیت اور کہاں یہ پاک زندگی۔ ہمارے احباب اس نقطہ سے ناواقف ہیں، وہ تقاضائے فطرت اور خواہشات نفسی میں فرق نہیں دیکھ سکے تقاضائے فطرت سے کوئی ممانعت نہیں بلکہ کھلی اجازت ہے، اور وہ کھانا پینا، رہنا سہنا اور توالد وتناسل ہے اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ اس لئے کھانے پینے کے لئے رزق کی طلب، رہنے سہنے کے لئے مکان کی ضرورت اور توالدو تناسل کے لئے عورت کا وجود مسلّمہ ہے۔ لیکن کھانا کیسے ہو، مکان کیسے ہو۔ اور عورت کیسی پسند ہے؟ یہ ہے خواہش اس کی ممانعت عملاً۔ عقلاً، نقلاً ہم دکھا چکے ہیں، یہ طلب کہ کیسے ہو؟ اس نے دُنیا کو تباہ کر رکھا ہے، اور یہ ہے ہوا۔ جس کے واغ کو اللہ تعالےٰ انسانی ہستی کے لئے ناپسند فرماتا ہے۔ اور معاشرہ انسانی کے لئے تباہ کن فرماتا ہے۔ غرض، "ایسے" "ویسے" نے دُنیا کے علم کو مخمصہ میں ڈال رکھا ہے، علمی عقول پر ایک پردہ ڈال دیا ہے،

یہ ایسے ویسے ایک نمود کے لئے۔ ایک سرور وکیف کے لئے ایک اظہار اقتدار کے لئے جس کے لئے کوئی انتہا نہیں، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ ورنہ بلند مقاصد کی طلب کو کون خواہش کہتا ہے۔ بلکہ حکم ہوتا ہے۔ اِطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْن۔ یعنی علم کو طلب کرو۔ خواہ چین میں ہو۔ رزق کماؤ۔ مکان بناؤ۔ لباس پہنو۔ یہ خواہش نہیں بلکہ فطرتی تقاضا ہے۔

لطیفہ:۔ ایک مولوی صاحب نے کھیوڑہ (تحصیل خوشاب) میں مجھ سے کہا، کہ آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے روٹی مل جائے چونکہ میں کسی کے گھر کھانا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ان کے خیال میں یہ آیا کہ کسی وظیفہ کی برکت سے اس کی روزی وافر ہے میں نے کہا پیر بل آؤ تو بتلاؤنگا۔ چنانچہ میرے پیر بل پہنچنے پہ مجھے خط لکھا کہ اب میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں تاکہ روزی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فراخی اور روٹی کے وافر کرنے کی کوئی ترکیب مجھے بتلائیں، میں نے جواباً لکھا" روٹی اور رزق وافر ہے۔ کوئی پاکستان میں روٹی کا محتاج نہیں۔ آپ یہ خیال چھوڑ دیں کہ روٹی ایسی ہو۔ تو روٹی کی کمی کبھی بھی آپ کو نہ ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ صرف روٹی پر قناعت نہیں رہی بلکہ ایسی روٹی، اور ایسے کھانے کے تخیل نے ساری دُنیا کو پریشان کر رکھا ہے، ورنہ آج روٹی کی کمی ہمارے ملک میں نہیں وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ"

اور ایسے ہی تمام خواہشات اور تقاضائے فطرت کا حال ہے۔ کہ تقاضائے فطرت ہر کہ و مہ کے لئے میسر ہے۔ اور خواہشات نفس کسی دولت مند یا کسی امیر بلکہ صاحب ملک کی بھی پوری نہوئی ہوں گی، اسی لئے فقراء نے یہ کہہ کر دُنیا کو ٹھکرا دیا۔

چیست تقویٰ، زہد اے عالیجناب بر مراد خود نہ گشتن کامیاب

خواہشات روکنا اہل طریقت کا کوئی بناوٹی اصول نہیں، بلکہ اسلام کے اولین بنیادی مقاصد میں شمار ہوتا ہے جس سے انسان اپنے اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو جاتا ہے، اور جس کے سامنے مٹی اور سونا برابر ہو جاتا ہے۔ اور حیات دُنیا کے ساز و سامان سے نظر اُٹھ جاتی ہے، اور خالق حقیقی کی خوشنودی کے حصول کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور تقرب الی اللہ کے حاصل کرنے کی ایک سیڑھی ہے۔ اس کو تصوف کا من گھڑت مسئلہ جو لوگ خیال کرتے ہیں، نہ تو ان کو قرآن حکیم پر عبور تام ہے۔ اور نہ ان کا ذوق سلیم ہے، کہ وہ خود تدبر سے کام لیں، اور نہ فلسفہ قدیم و جدید سے واقفیت ہے، ورنہ آج اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ صرف حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر دوڑائی ہوتی تو یہ خیال باطل سامنے نہ آتا۔ کہ خواہش کے بغیر زندگی محال ہے۔

پھر کہتا ہوں کہ خواہش نفس سے روکنا مطالبہ اسلام ہے۔ ہاں! جوں جوں ملت دُنیا دار ہوتی گئی اس حقیقت قرآن سے ہٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اب اسے گمراہی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن صوفیوں نے تمام نہ سہی کچھ سہی اس پر عمل کرنے کا خیال ابھی تک قائم رکھا ہے اور اس اصول کو تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ اہل علم مادیات سے مرعوب ہو کر اس اصول اسلام "خواہش کے روکنے" کے خلاف متواتر پروپیگنڈا کر کے اس قرآنی حقیقت کو دلوں سے نکالنے میں کوشاں ہیں اَعَاذَنَا اللّٰہ،

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

آئیے۔ اصل مضمون کے آخر میں "وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا" کہ خواہش پر چلنے والے کا ہر ایک کام بے وزن ہو جاتا ہے یعنی اعتدال سے گزرا ہوا اور بے حقیقت ہو جاتا ہے، کیا یہ ایک حقیقت دُنیا کے تجربہ میں نہیں آچکی کہ عیاش آدمی کے کسی فعل میں متانت سنجیدگی اور اعتماد نہیں ہوتا۔ اور جب انسانی ہستی سے اعتماد اُٹھ جائے تو پھر اُسکی قیمت ہی کیا۔ جتنے کام ہوتے ہیں یہ سب اعتماد پر ہوتے ہیں اور کسی کی اہلیت بھی اس کے اعتماد پر ہے اس لئے اللہ تعالے نے اس انسانی ہستی کو قابل وقعت بنانے کے لئے ارشاد عالی فرمایا۔

جب تک مسلمان اس حکم پر کاربند تھے دُنیا میں ان کا اعتماد تھا۔ کیا صلح اور کیا جنگ میں کیا تجارت اور کیا صنعت میں کسی کو دھوکے کا خیال تک نہ ہوتا۔ اپنوں کو چھوڑئیے اغیار کی نگاہ میں قابل اعتبار تھے، اور اپنے ملک میں نہیں دوسرے ملکوں میں جہاں اِکّا دُکّا مسلمان ہوتے تھے کسی عیب اور جرم کا مرتکب ہو جانا کسی کے خیال میں نہ آتا تھا۔ بلکہ دُنیائے عالم میں ہر مسلمان کے لئے احترام و وقار کے بچھونے بچھے تھے اور عزت کی سند پیش کی جاتی تھی، لیکن آج کیا ہے؟ اس خواہش نفس کو جائز سمجھنے سے مسلمان کسی جگہ اپنی ہم عصر قوموں سے ممتاز نہیں بلکہ اکثر ممالک میں اسے نہایت بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ خود مسلم ممالک میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور اسے قابل اعتبار خیال نہیں کرتا، کیونکہ خواہشات کی وجہ سے تمام اخلاق [illegible]

© rasailojaraid.com